علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

سکالر پی ایچ ڈی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

تانیثیت: بنیادی مباحث

Feminism: Basic Discussions

سائرہ بانو

Saira Bano

PHD Scholar, National University of Modern Languages Islamabad.

Abstract: Literature is the mirror of life. Each society defines the standards of men and women according to its beliefs. Since the creation of the universe various rituals have come to the fore. In some places, men have superiority over women, while in some places women are treated as less than a shoes. In the study under consideration, the aim is to evaluate the different periods and movements of Feminism.

Keyword: Feminism, consideration, evaluate, superiority.

تانیثیت کیا ہے؟ تانیثیتی تحریک اور اس کے اغراض و مقاصد کو سمجھنے کیلئے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ لفظ حقوق نسواں، تحریک نسواں، نسائیت یا اس جیسے دوسرے الفاظ جو عام طور پر عورتوں کے حقوق اور شناخت کے اظہار کیلئے اصطلاح کے طور پر استعمال کیے جاتے رہے ہیں وہ انگریزی اصطلاح Feminism کے متبادل نہیں ٹھہرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ الفاظ کے معنی محدود ہوتے ہیں اور ان سے اس احتجاج کی ترجمانی نہیں ہو پاتی جو آج اس تحریک کا بنیادی مقصد ہے اس لیے اس لفظ Feminism کیلئے اردو میں لفظ تانیثیت ہی موزوں ہے یہی لفظ اس تحریک کے اعزاض و مقاصد کی صحیح ترجمانی کر سکتا ہے۔

تانیثیت آج جدید سماجیات کا ایک نہایت اہم اور وسیع موضوع بن چکی ہے جس سے صرف ادب ہی نہیں فکر و فلسفے کے تمام نظریات متاثر ہوئے ہیں۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"یعنی ایک ایسی تحریک جو عورت اور مرد کے درمیان سماجی سیاسی اور اقتصادی برابری کو قائم کرے اور عورت و مرد کے رشتے کی خامیوں کو دور کرے"(1)

دراصل لفظ Feminism لاطینی لفظ Femina سے مشتق ہے اور اب انگریزی ادب میں ایک مخصوص معانی میں اصطلاح کے طور پر رائج ہے جس کے لاطینی معنی "عورت" فرانسیسی میں عورتوں کے حقوق اور انگریزی میں جنسی برابری کے ہیں اور اردو میں اس کا متبادل لفظ تانیثیت ہے۔ عالمی تاریخ میں اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل کا عہد اپنی ہمہ جہت تبدیلیوں کی وجہ سے بہت اہمیت کا حامل رہا ہے اس زمانے میں انسانی زندگی کے ہر شعبے میں بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئیں خواہ وہ سائنس کی دنیا ہو یا تکنیک کی سیاست کا میدان ہو یا فلسفے کا پوری انسانیت ایک ہنگامی تبدیلی سے دو چار ہو رہی تھی پرانی قدریں ٹوٹ رہی تھیں اور نئی قدروں کے آثار واضح ہونے لگے تھے ان تبدیلیوں نے جہاں انسانی تہذیب و تمدن اور طرز رہائش کو متاثر کیا وہیں فکر و فلسفہ اور اخلاقی اقدار پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے آزادی مساوات، انصاف، امن و سکون اور اپنے پیدائشی حقوق کے حصول کی آوازیں دنیا کے ہر خطے میں سنائی دینے لگیں وہ تمام طبقے جو نسل، رنگ، علاقائیت اور پیشے کی بنیاد پر تعصب اور غیر انسانی سلوک کا شکار ہو رہے تھے، ان کی آنکھیں کھل گئیں وہ خود پر ہونے والے استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے لگے اور ساتھ ساتھ متحد ہونے لگے۔ ان مظلوم طبقات میں ایک طبقہ خواتین کا بھی تھا جو انسانی آبادی کا نصف حصہ تھا۔ انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں ان کی برابر کی حصہ داری رہی تھی لیکن خاندان، سماج اور تہذیب میں انہیں دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا تھا دوسری بات یہ تھی کہ معاشرتی طور پر زندگی کے کچھ شعبوں میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ماں اور دیوی جیسے باعزت مقام بھی دیے گئے مگر بحیثیت انسان ان کو دوسرا درجہ حاصل تھا اور جنس کی بنیاد پر ظلم و زیادتی اور استحصال ہوتا رہا تھا انسانی تہذیب کی تاریخ میں بہت سے فلسفے اور مذاہب وجود میں آئے اور انہوں نے انسانی بھلائی انصاف اور فلاح و بہبود کا دعویٰ بھی کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ کسی نے بھی انصاف نہیں کیا عورت کو کبھی بھی مکمل انسانی وجود تسلیم نہیں کیا گیا اس ضمن میں فہمیدہ ریاض کا کہنا ہے کہ:

"مکمل انسانی وجود" سے ہماری کیا مراد ہے؟ ایک سطح پر اس میں عورت کے وجود کی لاء محدودیت کا پہلو پنہاں ہے انسان کے امکانات کسی خط فاصل کی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

قید میں نہیں آتے عورت انسان کا نسوانی روپ ہے اس کے امکانات بھی
لامحدود ہیں"(2)

دراصل تانیثیت نئی تھیوری ہوتے ہوئے بھی بہت قدیم تاریخ رکھتی ہے۔ دنیا کے ہر علم میں تانیثیت کی روایت کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ملتا ہے اس لفظ کا سب سے پہلے استعمال روس نے ۱۸۷۴ء میں اپنی کتاب "ڈی اھتینم" کے تبصرے میں کیا تھا۔ ۱۸۹۵ء تک یہ لفظ کسی تحریک کے آغاز کا اشارہ نہیں کرتا تھا اس وقت تک اس کو عام طور پر جنسی برابری کے حق اور معاملات کیلئے استعمال کیا جاتا تھا[3] (Tuttle) کے مطابق انیسویں صدی تک The women Question کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی جب کبھی تانیثیت پسند جماعت کی جانب سے استعمال کرنے والوں کے خلاف تحریک چلائی گئی تو ہر زمانے کی یہ عام بات رہی ہے کہ ان کے نظریات اور نظریاتی اختلاف کی بنا پر انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ جس طرح ان میں نظریاتی اختلافات ہیں ٹھیک اسی طرح عورتوں کی ترقی کے مسئلے پر بھی ان میں اتفاق نہیں ہے۔

تانیثیت کی وضاحت کیلئے ضروری ہے کہ عورت کو تاریخ تہذیب، تمدن، مذہب اور ادب یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں کیا جائے۔ نمایاں کرنے سے مراد عورت کا وہ تصور ہے جو صدیوں سے زندگی کے چکر میں گھومتا آرہا ہے لیکن ابھی تک مبہم اور غیر واضح ہے۔ آج کا انسان جس ترقی یافتہ دور میں سانس لے رہا ہے اس کے پیچھے معاشی، سیاسی، ذہنی اور تہذیبی جدوجہد کی ان مٹ داستان پھیلی ہوئی ہے۔ محققین کے مطابق کرہ ارض پر انسان کم و بیش پانچ لاکھ سال سے آباد ہے ۔قدیم علمائے تاریخ نے انسانی تہذیب کے تین ادوار متعین کیے ہیں جن میں قدیم ترین پتھر کا عہد تھا۔ یہ بھی تین زمانوں پر مشتمل ہے جس میں قدیم ترین دور پانچ لاکھ سال پہلے کا ہے۔ جبکہ پتھر کا یہ زمانہ بلکہ دورانیہ پانچ ہزار قبل مسیح تک قائم رہا بعد ازاں کانسی اور پھر لوہے کا عہد شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔ تاریخ کے اس دورانیے میں کتنی تہذیبیں اور قومیں وجود میں آکر فنا ہو گئیں۔ تاریخی حوالے سے عورت کا سب سے پہلا تصور ناہید، زہرہ، وینس اور موک سے متعلقہ دیوی عشتار کا ہے جو یہودیت، نصرانیت اور مختلف اقوام کے رسوم اور رواجوں، علم وادب، اور اخلاق و عقائد پر برس ہا برس تک اثر انداز ہوتی رہی ہے آج بھی جب انسان تہذیب و تمدن اور بلوغت کی حدوں سے بہت دور نکل گیا ہے اقوام اس متعلقہ عقائد و رسوم کو کسی نہ کسی شکل میں سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"سات ہزار برس پہلے سومیریوں کے سیلاب عظیم کی بابلی روایت ہو یا زہرہ
ومشتری طوائفوں کا اپنے حسن وصورت سے فرشتوں کا ایمان مزلزل
کرکے آسمان پر چلے جانے کی پُر لطف حکایت، مادری تہذیب کی علمبردار
قدیم زراعت کاروں کا مذہب ہو یا موجودہ عیسائیت اور
ہندوازم، عشتار دیوی کسی نہ کسی صورت میں جلوہ گر ہے"(3)

مندرجہ بالا اقتباس میں ایک اشارہ ملتا ہے جو کسی مادری نظام کی طرف روایت کرتا ہے گویا دنیا کا سب سے پہلا نظام زندگی مادری نظام تھا جس کی روح رواں عشتار دیوی تھی اس مادری تہذیب کی بابت ابن حنیف نے لکھا ہے کہ:

"کوئی بائیس ہزار برس پہلے عراق کے اولین آباد کاروں کے جانشین
زراعت کاری اور (الہاقی) نظام کے ابتدائی دور سے گزر رہے تھے۔ عورت
چونکہ شروع ہی سے غذائی نباتات جمع کرتی چلی آرہی تھی اس لیے
خودرو پودوں کی نگہداشت کرتے کرتے گندم کی افادیت بھی اس نے
دریافت کی اس عورت ہی کے ہاتھوں سب سے پہلے عراق میں زراعت کی
ابتدا ہوئی اور عورت ہی نے انسانی زندگی میں تمدن انقلاب برپا کر دیا چنانچہ
زراعت کاری کے ساتھ ساتھ مادری تہذیب کا بھی آغاز ہوا"(4)

اس مادری نظام میں عورت زندگی کے تقریباً تمام شعبوں پر حاوی تھی اس لیے زراعت کاروں نے اپنی تہذیب کا منبع بھی کسی غیر مرئی مونث ہستی کو قرار دیا۔ اس دور کا انسان یہ بھی دیکھتا تھا کہ صرف مادہ یا مونث کے بطن ہی سے ہر ذی روح کی پیدائش کا یکساں اور لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ عورت کی سماجی برتری نے ایک ایسی دیوی کا تصور پیش کیا جس کا اثر پوری کائنات پر تھا بعد میں پدری نظام کے زیر اثر اس مادری نظام کا مرتبہ اور دبدبہ بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ۔ سومیری تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے اس میں عورت کے بارے میں متضاد خیالات سامنے آتے ہیں۔ تاہم بیوی کے بارے میں سومیریوں کا تصور نہایت دلکش اور اعلیٰ ہے وہ بیوی سے جن اوصاف کی توقع رکھتے تھے اس میں اس کا دلکش ہونا شفیق، جاذب، خوش گفتار، شستہ اور مقدس ہونا بہت ضروری ہے مگر جنسی تعلقات کے بارے میں وہ بے حد آزاد خیال تھے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"جنسی تعلقات کی ایک اور نوعیت بھی تھی اس پر کوئی قدغن نہیں تھی اور
وہ تھی مذہبی عصمت فروشی، یہ مذہبی عصمت فروشی یا مقدس حرام کاری
مندروں میں ہوتی تھی"(5)

اس کے باوجود سومیریوں کا معاشرہ جنسی کج روی کا شکار نہ تھا۔ ان کے ہاں عورت کے بارے میں نہایت بلند خیالات تھے۔ سومیریوں کے ہاں عورت کے بارے میں نہایت اعلیٰ، پاکیزہ شفقت سے بھرپور خاتون خانہ کا دل آویز لطیف تصور بھی موجود تھا لیکن گھریلو عورت کے تقدس کی پامالی کی سزائیں سخت نہیں تھیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورت کی بدچلنی زیادہ سنگین سمجھی جانے لگی اور اس کی پاداش میں وہ مرد کی نسبت زیادہ زیر عتاب آئی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک عورت کی عزت یا تقدیس نسبتاً اتنی اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ اگر کسی کنواری کی عصمت دری ہوتی تو یہ اقدام خود اس کے خلاف نہیں بلکہ اس کے وارث کے خلاف متصور ہوتا تھا اور بیاہی عورت اس قسم کی زیادتی سے خود نہیں بلکہ اس کا شوہر متاثر ہوتا تھا۔ گویا دونوں صورتوں میں عورت کی اخلاقی پامالی کی زد میں خود اس کی ذات کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی فرق اس کے شوہر یا وارث کو پڑتا تھا۔ سومیریوں کی تہذیب کے بعد مصری تہذیب کا دور آتا ہے اس میں عورت کی پامالی کے حوالے سے بہت سی تعلیمات ملتی ہیں لیکن اس ضمن میں ایک مصری دانش ور کے مطابق:

"اجنبی عورت سے گریز کر جسے اس کے اپنے شہر میں کوئی نہ جانتا ہو جو
عورت اپنے شوہر سے دور ہو وہ اس گہرے پانی کی مانند ہے جس کے
گرداب سے کوئی واقف نہیں ہوتا"(6)

مصری تہذیب میں سب سے بلند مرتبہ ماں کو حاصل ہے۔ اس دور میں مصر میں قدیم روایات کے تحت تخت کی وارث شاہی خاندان کی عورت ہوا کرتی تھی۔

"مصر میں فراعین کے عہد تک عورت ہی سلطنت کی ملکہ اور عبادت میں
مہاپروہت ہوتی تھی۔ یہ نظام آج بھی بنگلہ دیشی اور ہند میں آباد کھاسی قوم
میں رائج ہے جہاں ماں نہ صرف خاندان کی سربراہ بلکہ جائیداد اور واشت کی
بھی مالکہ ہے"(7)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اگر چہ وہ وارث ہوتی تھی مگر تخت پر مرد ہی بیٹھتا تھالہذا خود کو جائز حکمران ثابت کرنے کیلئے اس کو ضروری ہوتا کہ وہ وارث عورت سے شادی کرے چاہے وہ اس کی بہن یا بیٹی کیوں نہ ہو تاریخ کی سب سے پہلی مطلق العنان ملکہ "مطشی پسط" کا تعلق بھی مصر سے تھا جس کی شادی اپنے سوتیلے بھائی سے ہوئی تھی مصر میں یہ واحد مثال ہے۔ جس نے شوہر کے ہوتے ہوئے بھی خود حکمرانی کی۔

ابن حنیف نے اپنی کتاب "مصر کا قدیم ادب" میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ محققین اور مورخین نے مصری عورتوں کو اخلاق یافتہ ظاہر کیا ہے اور مصر کی شادی شدہ خواتین کو اخلاق یافتہ کردار کی مالک بتایا ہے ۔ جہاں مصری عورتیں پیش دستی کو بُرا خیال نہیں کرتی تھیں وہیں فراعین بھی عیش ونشاط میں کم نہ تھے۔ ان کے حرم میں بے شمار باندیاں اور کنیزیں ہوتی تھیں۔ دوسرے ملکوں سے جب شہزادیاں فرعونوں کے ساتھ بیاہ کر آتیں تو ساتھ ان گنت باندیاں لے کر آتی تھیں۔ ان خواتین کو حرم سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ خوبصورت خواتین ہر وقت فرعونوں کی تفریح کیلئے چاروں طرف ہوتی تھیں۔

مصر میں عورت کو ایک مخصوص درجہ اس لیے بھی حاصل تھا کہ تمام جائیداد عورتوں سے عورتوں یعنی ماں سے بیٹی کو ورثے میں ملتی تھی۔ اس اقتصادی برتری کی وجہ سے معاشرے میں مردوں کی نسبت عورتوں کو اونچا مرتبہ حاصل تھا۔ ابن حنیف لکھتے ہیں کہ:

> "قدیم مصری عورت کی عظمت اور تقدس سے غافل یا نا آشنا نہیں تھے۔ ان
> کے پرانے ادب کو پڑھا جائے اس میں عورت اپنے ہر رنگ، ہر روپ میں
> ملے گی وفادار اور جانثار بیوی، اچھی ماں، پُرخلوص اور پُرجوش محبت کرنے
> والی دوشیزہ، طوائف، برائیوں کی ترغیب دینے اور پیش دستی کرنے والی
> بد کردار عورت"(8)

دنیا کی ابتدائی مہذب اقوام میں قدیم یونانی سرفہرست ہیں۔ یونانیوں میں عورت کے متعلق متضاد رویے ملتے ہیں۔ ایک طرف عورت مرد کی ضرورت تھی تو دوسری طرف وہ اس کیلئے نقصان اور تباہی کا باعث بھی تھی۔ یونان کی شاعری میں عورت کا تصور معاشرے کے رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں عورت کو معاشی بوجھ تصور کیا گیا ہے مگر ساتھ ہی مرد کی ضرورت بھی قرار دیا گیا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"ان کی نگاہ میں عورت ایک ادنی درجے کی مخلوق، معاشرت کے ہر پہلو میں اس
کا مرتبہ گرا ہوا رکھا گیا تھا اور عزت کا مقام مرد کیلئے مخصوص تھا"(9)

ان کے ہاں عورت کو جانوروں سے تشبیہہ دی گئی مثلاً طوائف کو بیل کہا گیا ہے۔ وہ لڑکی جس کو ورغلایا جاسکے وہ ہرن کی طرح ہے۔ خوبصورت عورت گھوڑے جیسی ہے۔ یعنی عورت بذات خود کچھ نہیں اس کی صفات کسی دوسری ہستی سے اجاگر ہوتی ہیں۔ یونان میں عورت کو نہ تو سیاسی حقوق حاصل تھے اور نہ وہ حق رائے دہی رکھتی تھی۔ بیویوں کو گھر میں بند رکھا جاتا تھا ان کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا اور شوہر بیوی کو اپنا جائیدادی اثاثہ سمجھا کرتا تھا۔

جس معاشرے میں گھریلو خواتین پر سختی ہو اور انہیں سخت پردے میں رکھا جائے وہاں طوائفیں اور داشتائیں آزاد ہوتی ہیں جو مردوں کے ساتھ محفلوں میں جاتی ہیں اور ان کے ذوق کی تسکین کرتی ہیں۔ یہی صورت ایتھنز کی تھی جہاں طوائف کی حیثیت آزاد عورت کی تھی اور جو مرد کو ذہنی اور جسمانی آسودگی بخشتی تھی۔ مولانا مودودی کے مطابق:

"یہاں تک کہ ان کے ذہن سے یہ تصور ہی محو ہو گیا تھا کہ شہوت پرستی
بھی کوئی اخلاقی عیب ہے ان کا معیار اخلاق اتنا بدل گیا تھا کہ بڑے بڑے
فلاسفر اور معلمینِ اخلاق بھی زنا اور فحاشی میں کوئی قباحت اور کوئی چیز قابل
ملامت نہ پاتے تھے"(10)

یونانی زوال کے بعد روم کی سلطنت عروج پر آئی یہ عروج صدیوں قائم رہا۔ یونانیوں کی طرح روم میں بھی عورت اپنی تمام زندگی کسی مرد کے تابع رہتی تھی۔ اس پر بہت سی پابندیاں تھیں مگر وہ گھر میں مقید نہ تھی۔ روم فاتح ملک تھا اور اپنے دور کی سُپر پاور تھا۔ اس لیے دولت کی فراوانی نے لوگوں کے اخلاق بگاڑ دیے۔ وہ نکاح کو ایک پابندی خیال کرنے لگے اور آزادانہ تعلقات کو پسند کرنے لگے۔ ایک بے لگام آزادی کی لہر نے بہنا شروع کر دیا۔ سید شرافت حسین کے مطابق:

"رومی سلطنت عیاشیوں میں ڈوبی ہوئی تھی شہوانی اور نفسانی خواہشات
کا زمانہ تھا اہل روما عورتوں کی برہنہ دوڑ منعقد کیا کرتے تھے"(11)

یہودیت اور عیسائیت کے آتے آتے عورت سماجی طور پر بالکل گر چکی تھی۔ یہودیت میں عورت کو گناہ کی طرف راغب کرنے والی چیز گردانا جاتا تھا۔ اس لیے یہودیوں میں ایسے فرقے بھی تھے جو عورتوں سے دور رہتے تھے اور وہ خیال کرتے تھے کہ عورت شہوت اور رقابت پیدا کرتی ہے۔ اس لیے یہ جھگڑے اور فساد کا باعث ہوتی ہے۔ عورت کے متعلق

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ان کا خیال تھا کہ اس کو پڑھانا نہیں چاہیے اور خصوصی ایام میں اس کو ناپاک کہا جاتا اور الگ رکھا جاتا۔ ان کے نزدیک عورت کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرے۔ بقول عصمت جمیل:

> "یہودی گھرانے میں باپ کی حکمرانی ہوتی تھی۔ فرزندان اسرائیل کا ہر گھرانہ متعدد بیویوں اور لونڈیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ گھرانے کا سربراہ جو پاپوشے، کہلاتا تھا۔ خاندان پر مکمل قانونی اور عدالتی اختیار رکھتا تھا وہ چاہتا تو بچوں کو زندگی کا حق دے دیتا ورنہ ان کی قربانی بھی دے سکتا تھا اگر بیٹے کے بعد بہو زنا کرتی تو وہ اسے زندہ جلا سکتا تھا باپ کے بعد یہ اختیار بھائیوں کو منتقل ہو جاتا تھا"(12)

سومیریوں، مصریوں کی طرح ہندوستان میں بھی ابتدائی دور میں مادرانہ نظام رائج تھا۔ ہندو اساطیر میں دنیا کو تخلیق کرنے والی مقدس ہستی ایک رقاصہ "پراکرتی" تھی جسے "شکتی دیوی" بھی کہا جاتا ہے اس دور میں دھرتی کو بھی ماتا کہا گیا۔ قدیم ہند میں (تنترمت) دور عورت کی سربراہی کا دور تھا لیکن آریہ اپنے ساتھ "وید نظام لائے" جس میں کم سن بچیوں سے زادی دیوداسی اور ستی کا بہیمانہ نظام عورت راج سے نجات کا ذریعہ تھا۔ آریاؤں نے ستی کیلئے یہ توجیح پیش کی کہ ہر شے کا کوئی مالک یا آقا ہوتا ہے۔ اس لیے عورت کا بھی کوئی آقا ہونا چاہیے جو مرد ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ قدیم بابلی تہذیب میں عورت نے جادو اور توہمات کو فروغ دیا اسی طرح قدیم ہند میں بھی عورت نے مردانہ نظام سے تحفظ کیلئے جادوٹونے یا تنترازم کو چلا دیا۔ اس تنترازم میں دیویاں تخلیق ہوئیں۔ ان میں بھرویں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں عورت مقدس تھی اور پیدائش کا سرچشمہ تھی یہ بھی مادرانہ نظام کی ایک شکل ہے جبکہ ہندوستان میں پدرانہ نظام جو کہ مادرانہ نظام کی ضد ہے بھی رائج ہوا اور اس پدرانہ نظام میں دیویوں کے مقابلے میں دیوتا تخلیق کیے گئے۔ ان دیوتاؤں کی سماجی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے دیویاں وجود میں لائی گئیں مگر ان دیویوں کو دیوتاؤں کی نسبت کم تر درجہ دیا گیا اوشاء سرسوتی اور رتڑی اسی پدرانہ نظام کی تخلیق کردہ کم تر دیویاں ہیں مادرانہ اور پدرانہ نظام کی یہ کشمکش پر تہذیب کے دور میں نظر آتی ہے۔ عورت راج میں دیویوں کے چرنوں میں لڑکوں کی قربانی دی جاتی تھی اور عورتوں کی مخصوص عبادت گاہوں اور طلسم کدوں میں مردوں کو خصی ہو کر داخل ہونا پڑتا تھا عورت راج میں عورت کی قربانی ممنوع تھی اس راج میں مردوں کی بالادستی ختم کرنے کیلئے ایسے قوانین رائج کیے جاتے تھے جن کے مطابق:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"بعض تہواروں میں اب بھی لیکن شاذ، پجاری اپنا گوشت کاٹ ڈالتے ہیں
۔اور اس ظالم دیوی کو خوش کرنے کیلئے اپنا جسم جلاڈالتے ہیں"(13)

نتیجتاً جب مرد برسر اقتدار آئے تو انہوں نے کم سن لڑکیوں سے شادی اور ستی کو رواج دے کر بدلا چکایا۔ دوسری جانب مندروں میں دیوداسی نظام کو پروان چڑھایا۔ پروہت نے انتہائی عیاری سے مختلف پروان گھڑے اور عورت کی تذلیل کیلئے شاستروں کی غلط تشریح کی جبکہ ہندوؤں کی مقدس کتب "رگ وید" اور "منوسمرتی" میں کہیں بھی ستی کا ذکر یا حکم نہیں ہے۔

"ستی کی پہلی یادگار سن510ء میں مدھیا پردیش کے شہر اران میں ملتی
ہے۔ ستی کی رسم کے پس منظر میں عورت کی سماجی حیثیت ابھر کر آتی ہے
کہ آہستہ آہستہ اب اس کی اپنی ذات اور اس کی شناخت ختم ہو جاتی ہے اور
وہ مکمل طور پر مرد کی ملکیت ہو جاتی ہے اس لیے شوہر کی وفات کے بعد اس
کیلئے زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا"(14)

"رگ وید" میں عورت کی تعظیم کی گئی ہے جبکہ "منوشاستر" میں تذلیل کی گئی ہے۔ عورتوں کے سخت رویے کی تاکید جتنی ہندو مذہب میں ہے اتنی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ اس تہذیب میں عورتوں کی عمر، احساسات اور نفسیات کے حقوق کو مردوں کی مرضی اور خواہشات پر قربان کر دیا جاتا تھا۔ آریاؤں کی آمد سے قبل اور برہمن راج سے پہلے ہند میں عورت انتہائی مقدس پوتر سمجھی جاتی تھی۔ برہمن دور میں عورت کا درجہ کم کرنے کیلئے مختلف اقدامات کیے مثلاً وارثت میں انہیں غیر مستحق قرار دیا گیا۔ ہندو سماج میں گوتم بدھ نے عورت کو بطور بیوی سات اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

"پہلی قسم کی بیویاں گھاتک، ہیں ان کا برتاؤ قاتل کا سا ہوتا ہے۔
ایسی عورتیں روز نئے آشنا کی تلاش کرتی ہیں اور یہ بے وفائی کرتی
ہیں دوسری قسم کی بیویاں چور ہوتی ہیں۔ یہ اپنے مزے اور ضروریات
کو ہی برتر سمجھتی ہیں یہ خود غرض ہوتی ہیں۔۔۔۔۔۔ساتویں قسم کی
عورتیں اپنے آپ کو خاوند کا غلام سمجھتی ہیں اور اس کی ہر خدمت بجالاتی ہیں
وہ اپنا سب کچھ اپنے شوہروں پر قربان کر دیتی ہیں اور اس کی سیوا اپنا دھرم
سمجھتی ہیں"(15)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہندو دھرم کے مطابق عورت کا تصور گوتم بدھ کے بیان کردہ ساتویں قسم کی عورت کے مطابق تھا۔ آج بھی غالب خیال یہی ہے کہ دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیادہ وفاشعاری اور وفاپرستی کا جذبہ بھارت کی عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ عیسائیت میں چرچ کے اولیاء نے عورت کی پسماندگی کو بڑھانے میں زیادہ حصہ لیا۔ انہوں نے عورت کے کردار کو سطحی کمزور اور دماغی طور پر اسے غیر مستقل مزاج قرار دیا۔ عورت کی صحیح تربیت کیلئے عیسائیت کے مذہبی علماء یہ سمجھتے تھے کہ اسے ہر قسم کی مجلس سے دور رکھا جائے کیونکہ یہ سماجی اور ثقافتی مواقع اسے آزاد خیال اور بے حیا بنانے میں مدد دیتے ہیں۔

> "چرچ کی جانب سے عورت کی برائیاں اور اس قدر بیان کی گئیں کہ نفسیاتی طور پر عورت خود اپنی ذات سے شرمندہ ہونے لگی اور اس خیال سے کہ وہ گناہ، برائی اور خرابی کی وجہ ہے اور دنیا میں تمام برائیاں اس کی وجہ سے ہیں ۔ وہ اس کا کفارہ ادا کرنے میں لگی رہی اور صورت حال یہ ہو گئی کہ وہ اپنی خوبصورتی اپنے لباس اور اپنی زیب وزینت پر شرمندہ ہونے لگی کیونکہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ اس سے لوگوں کو گناہ کیلئے ورغلایا جاتا ہے"(16)

فطرت پرست پادریوں نے برہنگی کو عروج دیا۔ سولہویں صدی میں لاطینی مسیحی دنیا کی اخلاقی حالت کا یہ عالم تھا کہ جنسی لذت کے نت نئے طریقوں کی تلاش اس عہد کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ عریاں رقص اور برہنہ ڈرامے زندگی اور مذہبی عبادات کا جزو تھے۔ انتہا یہ تھی کہ حرام کاری چرچ میں قربان گاہ کے پاس بلکہ دعاؤں کے اوقات میں ہوئی تھی۔ اس عہد میں مصوروں نے برہنہ تصاویر اور مجسموں کو فروغ دیا یہاں تک کہ مذہبی شخصیات کو بھی برہنہ کر دیا۔

> "عیسائیت کی بنیادی تعلیم میں یہ شامل تھا کہ حوا نے آدم کو اکسایا نتیجتاً عیسائیت کے ہر دور میں عورت معطون رہی۔ مسیحی ادوار میں ایک عام عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی بلکہ وہ لونڈی سے بھی بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی"(17)

ان رکاوٹوں کے باوجود عورتیں مختلف طریقوں سے ان پابندیوں سے بچتی رہیں۔ مرد جنگ وجدل اور حکومت میں مصروف رہتے اور عورتیں کسی نہ کسی طرح ادب، فن اور دوسرے مشاغل میں حصہ لیتی رہیں۔ قانون اور حقیقت کا یہی تضاد صدیوں تک جاری رہا۔ قانون عورتوں کو پابند کرتا رہا اور عورتیں کسی نہ کسی طرح یہ زنجیریں ڈھیلی کرتی رہیں۔ سولہویں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اور سترہویں صدی میں تحریک نشاۃ ثانیہ نے یورپ میں نئے نئے نظریات اور تحریکیں منظر عام پر لائیں۔ ان میں ہیومنزم کی تحریک بھی تھی۔ لیکن ان سب میں کسی نے عورت کے مقام کو اونچا نہیں کیا۔ یورپ میں عورت کی یہ حالت صنعتی دور کے آنے تک رہی۔ سائنسی اور ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے سماجی مرتبے میں تبدیلی واقع ہونا شروع ہوئی۔

اس سے بہت پہلے ساتویں صدی عیسوی میں اسلام نے عورت کو اہم مقام دیا جبکہ عورت کا یہ حق یورپ کی ترقی یافتہ قوموں نے ایک ہزار سال بعد قبول کیا۔ عورت کو طلاق کا اختیار، بیوہ کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت دی۔ تعلیم اور روزگار میں عورت اور مرد کو مساوی درجہ دیا۔ یہ تبدیلیاں انقلابی تھیں کیونکہ مختلف مذاہب اور تہذیب و تمدن کی روشنی میں اب تک جو عورت کا تصور سامنے آیا اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت فساد کی جڑ ہے اور اس کا وجود ہی گناہ اور شہوت کا منبع۔ مرد ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہے۔ یہ عورت ہی ہے کہ جو اسے گناہ کے راستے پر ڈالتی ہے۔ شیطان بلاواسطہ مرد تک گمراہی منتقل نہیں کر سکتا صرف عورت کے ذریعے وہ مرد کو ورغلا سکتا ہے مختلف مذاہب کے مطابق پہلا شخص یعنی آدم جس کو شیطان نے ورغلایا اور گمراہ کیا جس کے باعث اسے جنت سے نکلنا پڑا اس کی وجہ بھی عورت ہی بنی تھی قرآن نے بھی آدم کی جنت گم گشتہ کا ذکر کیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں آیا کہ شیطان نے حوا کو گمراہ کیا اور نہ ہی قرآن حوا کو حقیقی ذمہ دار ٹھہراتا ہے نہ ہی اس کو بالکل بری الذمہ قرار دیتا ہے قرآن مجید کی آیت کا مفہوم ہے:

"اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جو چاہو اسے کھاؤ" (سورۃ اعراف آیت 19)

عورت کی روحانی صلاحیت کے بارے میں بھی اب تک کے مختلف مذاہب اور تہذیبوں کی طرف سے جو طرز فکر سامنے آتا ہے وہ یہ کہ عورت جنت میں نہیں جا سکتی یا عورت مرد کی طرح خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتی جبکہ قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ جنت میں دخول اور خدا کا قرب کسی جنس کی بدولت حاصل نہیں ہوتا اور نہ قیادت میں جزا و سزا صنف کی بدولت ہو گی بلکہ سراسر اعمال کی بنیاد پر ہو گی وہ اعمال چاہے آدمی نے کیے ہوں یا عورت نے۔

ترجمہ:

"سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو تم سے اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو" (سورۃ آل عمران، آیت 195)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہر عظیم شخص کے شانہ بشانہ قرآن نے ایک اعلیٰ دماغ عورت کا بھی ذکر کیا ہے۔ آمؑ اور ابراہیمؑ کی بیویوں، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی ماؤں کا تذکرہ قرآن مجید میں انتہائی عزت سے کیا گیا ہے۔ اگر قرآن مجید نے حضرت لوطؑ اور نوحؑ کی بیویوں کو نافرمان کہا ہے تو اس میں فرعون کی بیوی آسیہ کی برگزیدگی کا اعتراف بھی ہے۔ گویا قرآن مجید میں بھی مرکزی کردار صرف مرد ہی کی ذات نہیں اسلام میں یہ کہیں نہیں آیا کہ عورتوں کو مردوں کیلئے پیدا کیا گیا بلکہ اسلام کہتا ہے کہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔

ترجمہ:

"تم ان کیلئے لباس ہو اور وہ تمہارے لیے لباس ہیں"

اسلام میں عورت کا وجود امن اور مسرت کا باعث ہے۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 187)

گویا محنت اور رحمت مرد اور عورت کے مل جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ جسمانی اعتبار سے عورت مرد سے یکسر مختلف ساخت کی حامل ہے اس لیے اسلام نے اس کے فرائض مردوں سے مختلف رکھے لیکن بنیادی حقوق میں وہ کسی مرد سے پیچھے نہیں۔

ترجمہ:

"میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو" (سورۃ آل عمران، آیت 195)

اسلام نے مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی تو دوسری طرف بیوہ کو بھی دوسری شادی کا حق دیا تاکہ ناجائز جسمانی تعلقات سے بچا جاسکے اس کے ساتھ ساتھ زناکاری کی سزا تجویز کی کہ زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو۔ قرآن مجید میں کہیں کہیں قبل از اسلام کی تہذیب کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے مثلاً زمانہ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ دفن کرنے کی بھی قرآن پاک میں شدید مذمت کی گئی ہے۔ اسلام نے عورت کو باعزت مقام دیا بیٹی کی پرورش کو باعث بخشش قرار دیا۔ جب تک وہ کنواری رہتی ہے ماں باپ کے زیر سایہ زندگی بسر کرتی ہے۔ جب وہ (سن بلوغ) کو پہنچتی ہے تو اسلام اسے آزاد شہری کے تمام حقوق دیتا ہے۔ وہ جائیداد میں حصہ دار ٹھہرتی ہے باپ شوہر اور اولاد سب کی طرف سے اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی نہیں کی جاسکتی۔ شادی کے بعد وہ نان ونفقہ اور حق مہر کی حقدار ہے نکاح کو ایک قانونی معاہدہ قرار دیا گیا۔ شوہر کا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

بیوی کے مال ومتاع پر کوئی قانونی حق نہیں دیا گیا۔افسوس کہ ان زریں اصولوں کے باوجود رسولؐ کے بعد کے سماج میں عورت کا درجہ بلند نہ ہو سکا حالانکہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان مکمل مساوات کا پیغام دیا تھا کہ مرد اور عورت ہونا وجہ فضیلت نہیں ان کا عمل ہی خدا کے نزدیک افضل ہے۔ عورت کیلئے ایک پوری سورۃ، سورۃ النساء نازل کی گئی جس میں وراثت کے اصول وضع کیے گئے اور مرد کو زیادہ مراعات سے محروم کیا گیا۔

دنیا کے ہر مذہب میں تہذیب میں اور ہر زمانے میں عورت اہم حیثیت کی حامل رہی ہے۔ چاہے اسے عزت کے قابل سمجھا گیا یا شر کا منبع۔ ہر صورت میں ہر معاشرے میں عورت کا کردار اہم رہا۔ اس دنیا میں عورت مختلف مذاہب اور خطوں میں مختلف روپ دھارتی رہی مثلاً مشرق میں عورت مرد کے دامن تقدس پر داغ ہے، رومن اسے صرف ایک جنس سمجھتا ہے، یونانی فلسفے نے عورت کو شیطان کہا، توریت نے اسے لعنت ابدی کا مستحق کہا، کلسیا نے اسے بدی کا سرچشمہ کہا، لیکن اسلام کائنات کا واحد مذہب ہے جس نے عورت کو عزت دی امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کا یہ قول درج کیا ہے کہ:

> "مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل کم تر سمجھتے تھے البتہ مدینہ میں ان کی قدر زیادہ تھی لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق احکام نازل فرمائے تب ہمیں ان کی قدر و منزلت کا احساس ہوا"(18)

ادب زندگی کا آئینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارے ادب میں بھی عورت کی اس تمام جدوجہد اور اس کے تصور اور حقیقت کا عکس نظر آتا ہے۔ عورت کے حوالے سے ہمارے ادب کے بنیادی موضوعات تعلیم پردہ اخلاق حق خلع، طلاق، وراثت، تعداد ازدواج کی خامیاں وغیرہ ہیں ان پر انتہائی سنجیدگی سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مذہب، سماج اور تہذیب کو مد نظر رکھتے ہوئے اردو ادیبوں نے جو عورت کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں عورت کے حوالے سے اس کی تعلیم کا پرچار بھی کیا گیا ہے۔ اس میں حق وراثت، خلع اور طلاق جیسے مسائل بھی پیش کئے گئے ہیں اور بے جا تقلید مغرب اور تعداد ازدواج کے نقصانات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس میں حقیقت کی عکاسی کس حد تک کی گئی ہے یا محض جذباتیت کے زیر اثر اپنے دل کی بھڑاس نکالی گئی ہے۔ ان موضوعات پر غور کرنے کے لیے مسائل کی گہرائی میں جا کر حقیقت تک رسائی ضروری ہے کیونکہ معاشرے کا فرسودہ ڈھانچہ بکھر رہا ہے اور عورت کا جو ماڈل بنا دیا گیا تھا وہ ٹوٹ رہا ہے۔ بلا شبہ آج کی عورت جدید زندگی کے مسائل اور اسکی پیچیدگیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہی ہے وہ اپنے آپ کو پہچان رہی ہے اور پدرسری نظام کے جبر سے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

چھٹکارا حاصل کر رہی ہے جنوبی ایشیاء کی عورت در حقیقت آج بھی روایت اور جدت کے درمیان لٹکی ہوئی ہے وہ اپنے کندھوں پر ماضی کا بوجھ لیے آگے بڑھ رہی ہے۔ وہ اپنے حال سے نا آسودہ اور مستقبل سے خوف زدہ ہے۔ ایسے میں اس کے اندر جو کشمکش جنم لے رہی ہے اس تک رسائی کسی بھی ادیب کیلئے کٹھن مرحلہ ہے یہاں ضروری ہو جاتا ہے کہ اردو ادب میں عورت کے تصور کی پیشکش کا باقاعدہ تنقیدی مطالعہ کیا جائے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حوالہ جات

1. اعجاز الرحمن، تابیبیہ اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار، عرشیہ پبلی کیشنز دہلی، 1995ء ص16
2. قاضی عابد، مرتبہ، اردو ادب اور تابیبیہ، (منتخب مضامین) ضمنمزم اور ہم از فہمیدہ ریاض، یورب اکادمی اسلام آباد 2016
3. ابن حنیف، ہزاروں سال پہلے، مکتبہ کارواں، لاہور، 1960ء ص12
4. ابن حنیف، ہزاروں سال پہلے، ص14
5. ابن حنیف، دنیا کا قدیم ترین ادب، بیکن پبلی کیشنز، ملتان، 1987ء جلد دوم ص217
6. ابن حنیف، دنیا کا قدیم ترین ادب، جلد دوم، ص288
7. شرافت حسین شفقت، سید، عورت، مذہب اور حکومت، نسیم بک ڈپو، لاہور (س ن) ص2
8. عقیلہ بشیر، اردو ناول میں تابیبیہ، شعبہ اردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، 2005، ص25
9. ابن حنیف، مصر کا قدیم ادب، (جلد چہارم)، ص238
10. جان سیٹور ٹمل کی کتاب کا ترجمہ، عورتوں کی محکومیت، مترجم افتخار شیروانی، فیروز سنز لاہور، 1993، جلد اول، ص5
11. مودودی، ابوالاعلیٰ سید، 'پردہ' اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1998، ص19
12. The Body and Society by p. Brown Columbia UniversityPress 1988.P-6
13. بحوالہ: عقیلہ بشیر، اردو ناول میں تابیبیہ، ص32
14. عبدالحق، مہر، ڈاکٹر، ہندو مسنمیات، بیکن بکس ملتان، 1993ء جلد اول، ص313
15. مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، تاریخ پبلیکیشنز لاہور۔2014ء
16. بحوالہ، عقیلہ بشیر، اردو ناول میں تابیبیہ، ص36
17. مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، ص37
18. شرافت حسین شفقت، عورت، مذہب اور حکومت، ص44